اعجاز قرآنی اور نظریہ نظمِ قرآن

حاتم صالح ضامن
ترجمہ: مسعود الرحمن خان ندوی

عربی زبان میں نظم کے معنی تألیف و ترتیب اور ایک چیز کو دوسری چیز میں ملانے اور ضم کرنے کے ہیں، چنانچہ نظمتُ اللؤلؤ کا مطلب ہوگا: میں نے موتی کو دھاگے میں پرو دیا۔ تنظیم بھی نظم کے ہم معنی ہے، اسی سے ہے نظمتُ الشعر: میں نے شعر نظم کیا/ترتیب دیا۔ مجازاً استعمال ہے نظمُ الکلام (کلام کی ترتیب)، هذا نظمٌ حسن (یہ اچھی نظم/ترتیب ہے)، إنتظم کلامُه و أمرُه (اس کا کلام مرتب ہوا اور معاملہ ٹھیک ٹھاک ہوگیا)، لیس لأمرِه نظام (اس کا معاملہ گڑبڑ ہے)، یہ اس موقعہ پر استعمال ہوگا جب کسی کی بات نہ بنے۔[۲]

نظمُ القرآن کا بھی استعمال ہے، یعنی مصاحف میں موجود قرآنی عبارت زبان و ترتیب کے لحاظ سے۔[۳]

لہٰذا نظم کے مشترک لغوی معنی ہوئے: کسی چیز کو دوسری چیز کے ساتھ ملانا اور اس طریقہ سے مرتب کرنا جیسے موتی کے دانے ایک دھاگے میں پروئے جاتے ہیں۔ یہی معنی ہماری موجودہ بحث کا مرکز ہے، عبد القاہر جرجانی نے بھی اپنی کتاب دلائل الاعجاز میں اسی معنی کا لحاظ کیا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک نظم کا مطلب: کلمات کو ایک دوسرے کے ذریعہ ایک دوسرے سے مربوط کرنا ہے۔[۴]

یہ خیال علماء کے نزدیک اعجاز قرآن کے نمایاں ترین وجوہ میں سے تھا اور اس کی تلاش ہی علم معانی کے وضع کرنے اور علم بیان کے ایک راستہ کا سبب بنی اور اسی کو

عبدالقاہر جرجانی نے اپنے اعجاز و بلاغت ونقد کے نظریہ کی بنیاد بنایا۔ کلام میں نظم کے خیال کی تاریخ کے جائزہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بیج درج ذیل علمائے نحو، ادباء، اہل بلاغت اور اعجازِ قرآن پر لکھنے والے کے ہاں ملتے ہیں:

نظمِ کلام سے باخبر علماء:

☆ عمرو بن عثمان سیبویہ (وفات ۱۸۰ھ) نے نظم کے معنی کلام میں ترتیب، اس کی صحت و فساد اور حسن وقبح پر اپنی تصنیف الکتاب میں متفرق جگہ کلام کیا ہے۔[۵]

☆ بشر بن معتمر (وفات ۲۱۰ھ) کے صحیفة میں ایسی عبارتیں ملتی ہیں جن سے نظم کا مفہوم نکلتا ہے۔[۶]

☆ کلثوم بن عمرو عتابی (وفات تقریبا ۲۲۰ھ) کا خیال ہے کہ معانی کے لیے الفاظ ارواح کے لیے اجسام کے مرتبہ میں ہیں اس لیے ان کو ان کی صحیح جگہ پر رکھنا چاہیئے ورنہ معنی بدل جائیں گے اور نظم برباد ہو جائے گا۔[۷]

☆ عمرو بن بحر جاحظ (وفات ۲۵۵ھ) کو یقین تھا کہ قرآن اپنے نظم کی بدولت معجز ہے، چنانچہ انہوں نے کہا: ''ہماری اتاری ہوئی کتاب (قرآن) کی صداقت کی دلیل اس کا شاندار نظم ہے جس کا مثل پیدا کرنے پر بندگانِ خدا قادر نہیں ہیں''۔[۸]

☆ عبداللہ بن مسلم بن قتیبہ (وفات ۲۷۶ھ) نے عبارت کے الفاظ کے درمیان نحوی تعلقات کی اہمیت پر زور دیا اور اس بارے میں اپنے مخالفین کے جواب دینے میں منہمک رہے۔ ان کے کلام سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ ان کے ہاں نظم کا خیال بلاغت پر مبنی ہے۔[۹]

☆ محمد بن یزید مبرّد (وفات ۲۸۵ھ) کے نزدیک بلاغت حسنِ نظم کا نام ہے۔[۱۰]

☆ ابوالیسر ابراہیم بن محمد شیبانی (وفات ۲۹۸ھ) اپنی کتاب الرسالة العذراء (جو غلطی سے ابراہیم بن مدبّر سے منسوب ہے) میں اہل قلم کو اپنی تحریروں میں ان چیزوں کی رعایت کی نصیحت اور وضاحت کرتے ہیں جن کا تعلق نظم کی اساس سے ہے۔[۱۱]

☆ محمد بن جریر طبری (وفات ۳۱۰ھ) نے کہا: ''جن بہترین معانی کی بدولت ہماری

کتاب (قرآن) ماقبل کی ساری کتابوں سے بڑھ گئی ہے وہ اس کا عجیب وغریب نظم و صفت اور شاندار تالیف وترتیب ہے جس کی ایک چھوٹی سورت کے مثل پیدا کرنے سے خطبائے زمانہ عاجز، اہل بلاغت اس کی شکل وصورت کی توصیف سے بے بس اور اس کی تالیف وترتیب سے شعراء حیرت زدہ رہ گئے۔[۱۲]

☆ ابوسعید حسن بن عبداللہ سیرافی (وفات ۳۷۸ھ) کے نزدیک علم نحو صرف اعرابی حرکات کا نام نہیں بلکہ وہ اصل میں کلمات کی جگہ اور ان کی ترتیب کا علم ہے۔[۱۳]

☆ علی بن عیسی رمانی (وفات ۳۸۴ھ) کا کہنا ہے: ''کلام کے حسن بیان کے کئی مراتب ہیں: اعلی ترین مرتبہ وہ ہے جس میں عبارت کے اندر نظم کی تعدیل کے ذریعہ حسن کے اسباب اس قدر جمع ہو جائیں کہ کلام سننے میں اچھا لگے، زبان سے ادائیگی آسان ہو، انسانی فطرت اس کو ٹھنڈک کی طرح قبول کرے اور مرتبہ کے مطابق بقدرِ حاجت کلام ہو۔[۱۴]

☆ حمد بن محمد خطّابی (وفات ۳۸۸ھ) کا خیال ہے کہ ''قرآن صرف اسی لیے معجز ہوا کہ اس کے فصیح ترین الفاظ بہترین نظامہائے تالیف کے ساتھ صحیح ترین معانی کو شامل ہیں''۔[۱۵] ''تالیف کے لحاظ سے قرآن کے نظم سے بہتر اور مناسب اور مشابہ تم نہیں دیکھو گے''[۱۶]۔ خطّابی کے نزدیک نظم کوئی آسان اور سہل الحصول چیز نہیں ہے بلکہ وہ ایک خاص ثقافت اور مہارت کی بات ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں'': نظم کے نقش ونگار کے حصول کے لیے وسیع ثقافت اور زبردست مہارت کی ضرورت ہوتی ہے، اس لیے کہ وہی تو الفاظ ومعانی کی لگام ہیں جس سے اجزائے کلام بنتے اور ایک دوسرے سے جڑتے ہیں تب ہی ذہن و دماغ میں بیان کی شکل وصورت ابھرتی ہے۔''[۱۷]

☆ ابوہلال حسن بن عبداللہ عسکری (وفات ۳۹۵ھ) نے اپنی کتاب الصناعتین کے باب حسن النظم وجودۃ الرصف والسبک میں کہا ہے: ''حسنِ ترتیب یہ ہے کہ الفاظ کو ان کی صحیح جگہ پر رکھا اور جمایا جائے، ان میں تقدیم وتاخیر اور خلاف وزیادتی کا زیادہ استعمال نہ ہو سوائے ایسے معمولی حذف کے جس سے کلام میں بگاڑ نہ پیدا ہو،

معانی پہیلی نہ بنیں، ہر لفظ اپنی شکل سے مربوط ہو... اور ترتیب کی خرابی یہ ہے کہ جس بات کو مؤخر ہونا تھا اس کو مقدم کردیا جائے، اس کو اس کے وجوہ سے موڑ دیا جائے، اس کے صیغہ میں تبدیلی کردی جائے اور اس کی نظم میں استعمال کی مخالفت کی جائے۔''[۱۸]

☆ ابوبکر محمد طیب باقلانی (وفات ۴۰۳ھ) کا خیال ہے کہ کتاب اللہ اپنے نظم کے اعتبار سے معجز ہے، اس لیے کہ اس کا نظم کلامِ عرب کے معمول کے مطابق تمام وجوہِ نظم سے الگ ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں: ''نظمِ قرآن کے طور طریقوں کی کوئی ایسی مثال نہیں ہے جس کی اتباع کی جائے، نہ کوئی امام ہے جس کی اقتداء کی جائے، اس کے جیسے نظم کا اتفاقاً وقوع صحیح نہیں ہوتا جیسے کہ بعض شعراء کو نادر شعر، مفقود کلمہ، غیر معروف اجنبی معنی اور تھوڑی بہت کوئی عجیب سی بات ہاتھ لگ جاتی ہے''[۱۹]... ''ہم نے نظمِ قرآن میں غور کیا تو اس میں تمام مذکورہ بالا وجوہ کو حسنِ نظم اور شاندار تالیف وترتیب کے ساتھ ایک برابری سے جاری و ساری پایا، جس میں کوئی تفاوت ہے نہ رتبہ بلند سے انحطاط ہے نہ نچلے رتبہ تک سقوط ہے''[۲۰]... ''اعجاز حروف کے اندر نہیں بلکہ ان کے نظم، استحکام، ترتیب اور نبی ﷺ کے لائے ہوئے حروف کے معیار کے ہم وزن ہونے میں ہے۔ اور نظم ان حروف کے مقدم و مؤخر ومرتب وجود کے سوا کچھ بھی نہیں ہے، اس کے علاوہ ان کا کوئی نظم نہیں۔''[۲۱] باقلانی نے اپنی دوسری کتاب الانتصار للقرآن کے مقدمہ میں مزید کہا ہے: ''اللہ نے قرآن کو اس کے عجیب نظم، الفاظ کی جزالت، شاندار ترتیب نیز کلام عرب کے تمام اوزان ونظوم سے الگ بنا کر اس کو اپنے رسول ﷺ کے لیے نشانی اور ان کی نبوت کے لیے غالب دلیل اور ظاہر حجت بنایا، اور مخلوق کو اس کے مقابلہ سے فطرتاً کوتاہ پیدا کیا، پھر اس جیسی ایک سورت کے مثل پیدا کرنے سے مخلوق کی عاجزی کا مبالغہ کے ساتھ ذکر کیا''[۲۲]

☆ قاضی عبدالجبار بن احمد (وفات ۴۱۵ھ) نظم پر بحث میں تمام علماء سے زیادہ واضح خیالات رکھتے تھے، انہوں نے اس خیال کو اپنی کتاب المغنی میں روشن کرنے کے لیے دو فصلوں میں بحث کی، پہلی فصل میں انہوں نے اپنے استاد ابو ہاشم جبائی[۲۳] کی فصاحتِ کلام سے متعلق رائے پیش کرتے ہوئے کہا: ''ہمارے شیخ ابو ہاشم نے کہا ہے کہ کلام لفظ کی

جزالت اور معنی کے حسن سے فصیح ہوتا ہے اس لیے دونوں کا لحاظ ضروری ہے، فصاحتِ کلام کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اس کا مخصوص نظم ہو، اس لیے کہ ان لوگوں کے نزدیک خطیب شاعر سے زیادہ فصیح ہوسکتا ہے، نیز اگر نظم کا مطلب طریقہ کا اختلاف ہے تو نظم بھی مختلف ہوگا، کبھی نظم تو ایک ہوتا ہے اور فرق و امتیاز فصاحت کی وجہ سے ہوتا ہے، اس لیے ہماری مذکورہ بالا بات ہی معتبر ہے، اس لیے کہ وہی ہر نظم و طریقہ میں ظاہر ہوتی ہے، نظم کی خاص بات تو یہ ہے کہ وہ بعض اہلِ فصاحت ہی کو حاصل ہوتی ہے جو اس کی طرف سبقت کرتے ہیں، پھر دیگر فصحاء اس میں برابری کرتے ہیں تو ان کو نظم میں برابری حاصل ہوتی ہے اور بعض اپنے علم و فضل کی وجہ سے اس نظم میں بڑھ جاتے ہیں"۔[۲۴]

اس طرح ابو ہاشم کے کلام سے یہ بات صاف طور پر معلوم ہوتی ہے کہ نظم فصاحتِ کلام کی تفسیر کے لئے ضروری نہیں ہے، گویا وہ جاحظ اور اس کے ہم خیال علماء کی اس بات کا رد کررہے ہیں کہ قرآن کا اعجاز اس کے نظم و طریقہ میں مضمر ہے، اس لیے وہ کہتے ہیں: "کلام میں صرف لفظ و معنی پائے جاتے ہیں، ان کے علاوہ کوئی تیسری چیز نہیں، اس لیے فصاحت کلام بھی صرف ان دونوں سے متعلق ہونا چاہئیے، یعنی لفظ جزیل ہو اور معنی حسین۔"[۲۵]

قاضی عبد الجبار نے اپنے استاد ابو ہاشم جبّائی کے کلام پر تبصرہ کرتے ہوئے وضاحت کی: "عادتاً ایسا نہیں ہوتا کہ نظمِ کلام ایک کے بغیر دوسرے سے مخصوص ہوتا کہ فصیح کلام کے نظم کے طریقے معمول کے مطابق بنیں، اسی طرح فصاحت کی مقدار عادت کے مطابق ہو تو اس میں کوئی امتیازی چیز ہونا چاہئیے، اس لیے فصاحت (یعنی جزالتِ لفظ اور حسنِ معنی) کے بغیر قرآن کا نظم کے کسی طریقہ سے مخصوص ہونا ہمارے نزدیک صحیح نہیں ہے اور اگر کوئی یہ کہے کہ اگر چہ میں نے نظم کے طریقہ کا لحاظ کیا ہے لیکن فصاحت کے امتیاز کا خیال بھی ضروری ہے تو وہ شخص ہماری بات کی طرف لوٹ آیا۔"[۲۶]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قاضی کو اپنے استاد جبّائی کے خیال میں کمی کا احساس ہوا: اس لیے کہ جبائی نے ترکیب کلام کی صورت کا خیال نہیں رکھا جو کہ عبارت کی فصاحت و

بلاغت میں بنیادی چیز ہے، لہذا قاضی نے کہا: ''اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ فصاحت اجزائے کلام میں نہیں بلکہ کلام کو مخصوص طریقہ سے ملانے اور جوڑنے سے ظاہر ہوتی ہے، اور اس ملانے اور جوڑنے میں ہر کلمہ کی کوئی صفت ہونا چاہیئے، وہ صفت ایسی وضع میں ہوسکتی ہے جو ملانے کو شامل ہو یا متعلقہ اعراب میں ہوسکتی ہے یا موقعِ (استعمال) میں ہوسکتی ہے، ان تین کے علاوہ کوئی چوتھی قسم نہیں ہے، اس لیے کہ آپ یا تو کلمہ کا اعتبار کریں گے یا حرکات (اعراب) کا یا موقع (استعمال) کا، اس کا لحاظ ہر علم میں ہونا چاہیئے، پھر ان تمام کلمات میں جو ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اس لیے کہ ان کے آپس میں ملنے کی کوئی (خاص) صفت ہوسکتی ہے، اسی طرح اعراب وحرکات اور موقعِ استعمال کی بھی کوئی (خاص) کیفیت ہوسکتی ہے۔ ہماری اس مذکورہ صورت اور شکلوں ہی میں فصاحت کی امتیازی کیفیت ظاہر ہوتی ہے، کسی اور میں نہیں۔'' [۲۷]

عبدالقاھر جرجانی سے قبل لفظ ''نظم'' کی یہ صورت حال تھی، یہ لفظ دوسری صدی ہجری سے رائج تھا، لیکن مذکورہ اقوال میں قاضی عبدالجبار کے خیالات کے علاوہ اس کے بارے میں کوئی واضح تصور نہ تھا، انہوں نے ہی فصاحت کو نظم سے مربوط کیا اور اس پر اعجاز قرآن کے بارے میں اپنی رائے قائم کی۔ اس طرح نظم کا متعین تصور قاضی صاحب کے ہاتھوں سامنے آیا، اس نے باقاعدہ خیال کی شکل اختیار کی اور اس کا طریقِ کار مقرر ہوا۔

عبدالقاھر جرجانی کے نزدیک نظم اور اعجاز سے متعلق خیالات پر گفتگو سے پہلے ان علماء کا تاریخی ترتیب سے مختصر ذکر ضروری ہے، جنہوں نے ''نظم قرآن'' پر کتابیں لکھیں، افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ تمام کتابیں ہم تک نہیں پہنچی ہیں کہ ان پر کوئی حکم لگایا جاسکے۔

مؤلفین نظمِ قرآن:

عمرو بن بحر جاحظ (وفات ۲۵۵ھ) کی ایک کتاب **نظم القرآن** کے نام سے ہے جو ہم تک نہیں پہنچی ہے، اس کا ذکر خود جاحظ نے اپنی دیگر کتابوں میں کیا ہے، جیسے انہوں نے ایک جگہ لکھا: ''جیسے تم نے نظمِ قرآن پر حجت قائم کرنے کے لیے میری

کتاب کی عجیب تالیف اور اس کی خوشنما ترکیب پر عیب جوئی کی ہے"۔ ۲۸ دوسری جگہ لکھتے ہیں: "میں نے تمہارے لئے ایک کتاب لکھی جس میں بہت محنت کی، اور قرآن کے لیے حجتیں فراہم کرنے میں اور ہر اعتراض کرنے والے کے جواب میں مجھ جیسے شخص کے جو کچھ امکان میں تھا اس کی انتہا تک پہنچا.... پھر تمہارا خط یاددہانی کے لیے آیا کہ تم نظمِ قرآن کے لیے حجت نہیں بلکہ خلقِ قرآن کے لیے حجت چاہتے تھے۔" ۲۹

ابن خیاط معتزلی نے جاحظ کی کتاب کے بارے میں کہا: "جاحظ کی کتاب کے علاوہ نظمِ قرآن کے لیے حجت اور اس کی عجیب تالیف میں کوئی کتاب معروف نہیں ہے، وہ محمد ﷺ کے لیے ان کی نبوت کی حجت ہے" ۳۰ "جس نے مشبّہ کے رد اور اخبار و اثباتِ نبوت کے بارے میں جاحظ کی کتاب اور نظمِ قرآن سے متعلق اس کی کتاب پڑھی تو اس کو معلوم ہوگا کہ اسلام میں بڑی دولت ہے، اللہ عز و جل اس کی اس محنت کو ضائع نہیں ہونے دے گا"۔ ۳۱

محمد بن یزید واسطی (وفات ۳۰۶ھ) کی کتاب **إعجاز القرآن فی نظمه وتالیفه** ہے، مگر ہم تک نہیں پہنچی۔ ۳۲

حسن بن علی بن نصر طوسی (وفات ۳۰۸ھ) کی ایک کتاب **نظم القرآن** کے نام سے ہے، وہ بھی ہم تک نہیں پہنچی۔ ۳۳

ابو علی حسن بن یحیی بن نصر جرجانی (وفات چوتھی صدی ہجری کی ابتدا) ۳۴ کی کتاب **نظم القرآن** دو جلدوں میں ہے ۳۵، نئے لوگوں میں جنھوں نے اعجازِ قرآن اور اس کے نظم کا مطالعہ کیا ہے کسی نے اس کی کتاب کی نشاندہی نہیں کی ہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ علماء کے نزدیک وہ معروف تھی، اسی کتاب نے مکی بن ابی طالب قیسی مغربی (وفات ۴۳۷ھ) کو چار جلدوں میں **انتخاب نظم القرآن للجرجانی واصلاح غلطه** کی تالیف پر آمادہ کیا۔ ۳۶ عجیب بات یہ ہے کہ مکی سے متعلق بیشتر لکھنے والے جرجانی سے واقف نہ تھے، اس لیے انہوں نے ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا۔

عبداللہ بن ابی داوٗد سلیمان سجستانی (وفات ۳۱۶ھ) کی ایک کتاب **نظم**

القرآن ہے جو ہم تک نہیں پہنچی ۳۷۔

ابو زید بلخی احمد بن سلیمان (وفات ۳۲۲ھ) کا ابو حیان توحیدی نے ذکر کرتے ہوئے کہا: ''ابو حامد قاضی نے کہا: قرآن سے متعلق ابو زید بلخی جیسی کتاب میں نے نہیں دیکھی، وہ بڑے فاضل تھے، فلاسفہ کی رائے کی طرف رجحان تھا، لیکن قرآن سے متعلق کئی جگہ بڑا اچھا مہذب کلام کیا ہے، اور اس کے اسرار سے پردہ اٹھایا ہے اور کتاب کا نام نظم القرآن رکھا ہے، لیکن تمام مطلوب معانی کا احاطہ نہیں کیا۔'' ۳۸

ابن اخشید احمد بن علی (وفات ۳۲۶ھ) کی بھی نظم القرآن کے نام سے کتاب ہے لیکن ہم تک نہیں پہنچی ہے۔ ۳۹

نظم اور اعجاز کا خیال:

لغت میں عجز کے معنی: ضعف کے ہیں جو قدرت کی ضد ہے، اور اصلاً اس کا مطلب کسی چیز کے حصول سے مؤخر ہونا اور عاجز آ کر آخر میں اس کو حاصل کرنا ہے۔ أعجزت فلانا، عجزّته اور عاجزته کا مطلب کسی کو عاجز بنانا ہے۔ أعجز کا مصدر إعجاز ہے جس سے لفظ معجزة نکلا ہے، جو معجزات الانبیاء کا واحد ہے جن کے ذریعہ انبیاء کی نبوت کی تائید کی جاتی ہے ۴۰، اس کے یہ معنی رسالت کے بعد کے زمانہ میں ہوئے۔ (اصطلاحاً معجزہ کا مطلب ہے: چیلنج کے ساتھ عادت کے خلاف کسی بات کے ہونے کا دعوی جو مقابلہ و مخالفت سے محفوظ ہو)۔ ۴۱

اعجاز کے مسئلہ نے مسلمانوں کو بہت مشغول رکھا ہے، اس بارے میں کلام کرنے والے بیشتر علماء معتزلی تھے، ابراہیم نظّام کی رائے تھی کہ قرآن صَرْفَة کی وجہ سے معجِز (عاجز کرنے والا) ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے عربوں کو قرآن کے معارضة (یعنی مقابلہ اور اس جیسا کلام پیش کرنے سے) پھیر دیا تھا تو یہ پھیرنا خلاف عادت تھا ۴۲۔ صَرْفَة سے متعلق نظّام کی اس رائے کا جاحظ نے رد کیا ہے۔ ۴۳

تیسری صدی ہجری میں پہلی کتاب سامنے آئی جس کے نام ہی میں اعجاز کا لفظ

شامل تھا، یعنی محمد بن عمر بن سعید باہلی بصری (وفات ۳۰۰ھ) کی کتاب **إعجاز القرآن** یہ کتاب ہم تک نہیں پہنچی ہے۔[۴۴]

ان کے بعد واسطی (وفات ۳۰۶ھ) نے جن کا ذکر اوپر گذر چکا ہے **إعجاز القرآن فی نظمہ وتالیفہ** لکھی جو ہم تک نہیں پہنچی اور عبد القاہر جرجانی نے اس کی دو شرحیں لکھیں مگر افسوس کہ ان دونوں سے بھی ہم واقف نہیں ہیں۔

چوتھی صدی ہجری میں اعجاز قرآن پر کئی کتابیں لکھی گئیں، ان میں ہم تک پہنچنے والی کتابیں یہ ہیں:

☆ رمانی (وفات ۳۸۶ھ) کی **النکت فی اعجاز القرآن۔**

☆ خطابی (وفات ۳۸۸ھ) کی **بیان إعجاز القرآن**۔ ان دونوں کا ذکر اوپر آچکا ہے۔

پانچویں صدی ہجری میں سے ہم تک پہنچنے والی کتابیں یہ ہیں:

☆ باقلانی (وفات ۴۰۳ھ) کی کتاب **إعجاز القرآن**

☆ قاضی عبد الجبار (وفات ۴۱۵ھ) کی کتاب **إعجاز القرآن** ۔ان دونوں کا ذکر بھی گذر چکا۔

☆ اسی صدی میں عبد القاہر جرجانی (وفات ۴۷۱ یا ۴۷۴ھ) نے نظم کے خیال کی وکالت کی اور اعجاز کی ایسی تفسیر کی جو نظم کے تصور پر قائم تھی، نیز انہوں نے اعجاز کی حقیقت ثابت کرنے کے لیے **الرسالۃ الشافیۃ** تالیف کیا اور اس کے اسرار کے بیان کے لیے کتاب **دلائل الاعجاز** لکھی، اور یہ ثابت کیا کہ اعجاز کا مطلب ہے: قرآن کے مقابلہ سے عربوں کی عاجزی۔ لہذا اعجاز ان کے نزدیک صرف مفرد الفاظ، ان کے معانی، حرکات و سکنات کی ترکیب، مقاطع و فواصل، حروف کی خفت و ملائمت ، مفردات کے اختیار، استعارات، وزن، سہولتِ لفظ اور صَرفۃ میں نہیں ہے[۴۵]، ہاں! انہوں نے اعجاز کو نظم سے جوڑا ہے، لہذا ان کا خیال ہے کہ قرآن اپنے نظم کی وجہ سے معجز ہے، یعنی نحوی معانی اور الفاظ کے مابین اس کے احکام کی تلاش میں مضمر ہے[۴۶]۔ کتاب کے خاتمہ میں انہوں نے اپنی رائے کی تلخیص کرتے ہوئے لکھا ہے: ”اے قاریٔ! میرا خیال ہے کہ تم نے اگر چہ اس

پر غور وفکر اور تدبر کا حق ادا نہیں کیا ہے لیکن تم کو بلا شک وشبہ اور تردد یہ تو معلوم ہو ہی گیا ہے کہ ''نظم'' الفاظ کے معانی کے مابین صرف نحوی معانی، اس کے احکام و وجوہ وفروق کی تلاش کا نام ہے، اور تمہارے لیے یہ واضح ہو گیا ہے کہ الفاظ کے معانی کے مابین سے اگر نحوی معانی واحکام جملۃً وتفصیلاً اٹھا لیے جائیں تو بولے ہوئے الفاظ (شعر ونثر دونوں میں) ایک دوسرے کے آگے پیچھے سے وہ سیاق وسباق نکل جائیں گے جس کے لیے ان کو رکھا گیا تھا، اور کسی لفظ کے بارے میں یہ بھی نہیں کہا جا سکے گا کہ وہ دوسرے لفظ سے مربوط ومتعلق یا اس کی وجہ سے موجود ہے۔ جب بغیر شک وشبہ یہ ثابت ہو گیا کہ ''نظم'' صرف کلمات کے معانی کے مابین نحوی معانی واحکام کی تلاش کا نام ہے تو اس سے یہ بھی ثابت ہو گیا کہ نظمِ قرآن کے اعجاز کی دلیل کا طالب اگر اس کو نحوی معانی واحکام اور وجوہ و فروق میں تلاش نہ کرے، اور یہ نہ جانے کہ وہی اس کی معدن وکان اور مکان ومقام ہے، اور اس کے علاوہ اس کے استنباط کی کوئی شکل وصورت نہیں، نہ کوئی وجہ وسبب ہے تو حقیقتاً وہ اپنے نفس کو جھوٹی امید سے بہلا رہا ہے اور اس کو دھوکہ دے رہا ہے، اور اگر وہ (نظم قرآن) کے نحوی معانی واحکام میں ہونے کا انکار کرے تو حقیقتاً وہ قرآن کے اپنے نظم کی وجہ سے معجز ہونے کا انکار کرے گا، پھر اس پر لازم ہو گا کہ قرآن کے معجز ہونے کے لیے کوئی دوسری چیز ثابت کرے، اور صَرفَۃ کے قائلین میں شامل ہو کر اعجاز ہی کو ایک کنارے لگا دے۔ اس تقریر (ثابت شدہ بات) کو کوئی کٹ حجت ہی نظر انداز کر سکتا ہے جو باطل سے رجوع کو عاجزی اور حجت لازم آنے کے بعد اس پر ثابت قدمی کو استقلال سمجھتا ہو، جس نے اپنے نفس کو اس مقام پر رکھ لیا تو اس نے اس کو انسانیت سے دور کر لیا''۔ [۲۷]

جرجانی نے اعجاز کے مختلف پہلوؤں واضح کرتے ہوئے تحریر کیا: ''ان امتیازی خصوصیات نے جو نظمِ قرآن میں ان کے سامنے ظاہر ہوئیں، اور ان خصائص نے جو لفظ قرآن کے سیاق وسباق میں ان کو ملیں اور آیت کے حیران کن مبادی ومقاطع الفاظ کے مجاری ومواقع، ہر مثل کے موقع ومحل، ہر خبر کے سیاق وسباق، ہر موعظت وتنبیہ اور اطلاع و تذکیر اور ترغیب وترہیب نے ہر حجت وبرہان اور صفت وبیان کے ساتھ ان کو عاجز کر دیا،

اور اس قدر متأثر کیا کہ انہوں نے ایک ایک سورت، ایک ایک رکوع، ایک ایک آیت پر خوب غور وفکر کیا تب بھی کوئی ایسا لفظ نہ ملا جو اس کی جگہ کے لیے غیر مناسب اور شان کے خلاف ہو یا اس سے زیادہ مناسب، مشابہ اور لائق و قابل ہو، بلکہ انہوں نے ایک ایسے ربط و تعلق اور مناسبت کو محسوس کیا جس نے اہل عقل کو ششدر و حیران کر دیا، اور عام لوگوں کو عاجز کر دیا اور انھیں ایک ایسے نظم و انتظام، سلیقہ و تناسب اور احکام و استحکام کا ادراک ہوا جس نے ان میں سے بڑے سے بڑے بلیغ کے ذہن میں، خواہ وہ کچھ بھی دعوی کرے، کسی اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہی۔ ۴۸" اس طرح جرجانی نے نظریہ نظم کے ذریعہ اعجاز قرآن کو منکشف کیا اور اس کی وضاحت کی۔ ان کے نزدیک یہ نظریہ سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے، اس لیے کہ یہی چیز ان کے عقیدہ اور ذہن و دماغ کے لیے سامان تشفی ثابت ہوئی، لہٰذا وہ اس کے علاوہ کسی اور نظریہ کی صحت کے قائل نہیں ہیں، بلکہ اس سے انحراف ظلمت و ضلالت کے مترادف سمجھتے ہیں۔

حواشی و مراجع

۱- ابن منظور (وفات ۷۱۱ھ)، لسان العرب، دار صادر، بیروت ۱۹۶۸ء، الزبیدی (وفات ۱۲۰۵ھ) تاج العروس، المطبعة الخيرية مصر، ۱۳۰۶ھ، مادہ نظم

۲- زمخشری (وفات ۵۳۸ھ)، أساس البلاغة، تحقیق عبدالرحیم محمود، قاہرۃ ۱۹۵۳ء، مادہ نظم

۳- المعجم الوسيط، دار المعارف، مصر ۱۹۷۳ء، مادہ نظم

۴- عبدالقاہر جرجانی، دلائل الاعجاز، تحقیق محمود محمد شاکر، قاہرہ، بدون تاریخ، ص ۵۵

۵- سیبویہ (وفات ۱۸۰ھ) الکتاب، بولاق، مصر ۱۶-۱۳۱۷ھ، ۸/۱

۶- جاحظ، البیان و التبیین، تحقیق عبدالسلام ہارون، قاہرۃ ۱۹۴۸ء، ص ۱۶۷

۷- عسکری، الصناعتین، تحقیق ابوالفضل اور بجاوی، مصر ۱۹۷۱ء، ص ۱۶۷

۸- جاحظ، الحیوان، تحقیق عبدالسلام ہارون، قاہرہ، ۱۹۳۸ء، ۹۰/۴

۹- ابن قتیبہ، تأویل مشکل القرآن، تحقیق احمد صقر، قاہرہ، ۱۹۷۳ء، ص ۲۹۹

۱۰- مبرد، البلاغة، تحقیق رمضان عبدالتواب، قاہرہ، ۱۹۶۵ء، ص ۵۹

۱۱- شیبانی، الرسالة العذراء، تحقیق زکی مبارک، دارالکتب المصریة، ۱۹۳۱ء، ص ۱۷

۱۲- طبری، جامع البیان عن تاویل القرآن، البابی الحلبی مصر، ۱۹۵۴ء، ۱/ ۶۵

۱۳- توحیدی، المقابسات، مصر، ۱۹۲۹ء، ص ۶۸ اور الامتاع والمؤانسة، تحقیق احمد امین اور احمد زین، قاہرہ ۱۹۵۲ء، ۱/ ۱۰۷

۱۴- رمّانی، النکت فی اعجاز القرآن، تحقیق محمد خلف اللہ اور محمد زغلول سلام، دارالمعارف مصر، ۱۹۶۸ء، (اعجازِ قرآن پر تین رسائل کے ساتھ) ص ۱۰۷

۱۵- خطابی، بیان إعجاز القرآن، تحقیق محمد خلف اللہ اور محمد زغلول سلام، دارالمعارف مصر، ۱۹۶۸ء، (اعجازِ قرآن پر تین رسائل کے ساتھ) ص ۲۷

۱۶- حوالہ مذکور، ص ۲۷

۱۷- حوالہ مذکور، ص ۲۶

۱۸- الصناعتین، ص ۱۶۷

۱۹- باقلانی، إعجاز القرآن، تحقیق احمد صقر، دارالمعارف مصر، ۱۹۶۴ء، ص ۱۱۲

۲۰- حوالہ مذکور، ص ۳۷

۲۱- باقلانی، التمهید فی الرد علی الملحدة والمعطلة والرافضة والخوارج والمعتزلة، تحقیق مکارثی، بیروت، ۱۹۵۷ء، ص ۱۵۱

۲۲- باقلانی، الانتصار للقرآن، تحقیق محمد عصام القضاة، بیروت ۱۴۲۲ھ/ ۲۰۰۱ء، ۱/ ۵۳

۲۳- عبدالسلام بن محمد بصری (وفات ۳۲۱ھ)، ذہبی، الاعلام بوفیات الاعلام، تحقیق ریاض عبدالحمید مراد، اور عبدالجبار زکار، بیروت ۱۴۱۳ھ/ ۱۹۹۳ء، ۱۳۶، اور سیر اعلام النبلاء، مؤسسة الرسالة بیروت، ۸۵-۱۹۸۸ء، ۱۵/ ۶۳

۲۴- قاضی عبدالجبار، المغنی فی ابواب العدل والتوحید، تحقیق امین الخولی، القاہرة ۱۹۶۰ء (جزء ۱۶، اعجاز القرآن) ۱۶/ ۱۹۷

۲۵- شوقی ضیف، البلاغة تطور وتاریخ، مصر، ۱۹۶۵ء، ص ۱۱۵

۲۶- المغنی، ۱۶/ ۱۹۷

۲۷- حوالہ مذکور، ۱۶/ ۱۹۹

٢٨- الحیوان،١/٩
٢٩- جاحظ، حجج النبوۃ، جمع ونشر حسن سندوبی، مطبعہ رحمانیۃ مصر، ١٣٥٢ھ/١٩٣٣ء، ص١٤٨
٣٠- ابن خیاط، الانتصار والرد علی ابن الراوندی الملحد، بیروت، ١٩٥٧ء، ص١١١
٣١- حوالہ مذکور، ٢٥
٣٢- ابن ندیم، الفہرست، تحقیق رضا تجدد، طہران، ١٩٧١ء، ص٦٣
٣٣- داؤدی، طبقات المفسرین، تحقیق علی محمد عمر، قاہرۃ ١٩٧٢ء، ١/١٣٨
٣٤- ابوعلی جرجانی کی تاریخ وفات کا پتہ نہ چلا، ان سے محمد بن یوسف طوسی (وفات ٣٤٤ھ) نے روایت کی ہے (حمزہ بن یوسف سہمی، تاریخ جرجان، حیدرآباد، ١٩٦٧ء، ص١٨٦، اور ابن الاثیر، اللباب فی تہذیب الانساب، مصر ١٣٥٦ھ، ٢/٢٨٨)
٣٥- تاریخ جرجان، مذکورہ بالا، ص١٨٦
٣٦- ابن خیر اشبیلی، فہرسۃ ابن خیر، بیروت ١٩٦٢ء، ص٤١، قفطی نے إنباہ الرواۃ علی أنبا النحاۃ، تحقیق ابوالفضل، مصر ١٩٥٥ء میں ان کا نام لیا ہے، ٣/٣١٦ (انتخاب کتاب الجرجانی فی نظم القرآن واصلاح غلطہ)
٣٧- خطیب بغدادی، تاریخ مدینۃ السلام بغداد، تحقیق بشار عواد معروف، دارالغرب الاسلامی، بیروت ٢٠٠١ء، ١١/١٣٦
٣٨- توحیدی، البصائر والذخائر، تحقیق ابراہیم کیلانی، دمشق، ٢/٣٧٩
٣٩- الفہرست، ٤١
٤٠- راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن، منشور محمد احمد خلف اللہ، مصر، ص٤٨٤، مادہ (عجز) اور اللسان اور التاج
٤١- شریف جرجانی، التعریفات، الدار التونسیۃ للنشر، ١٩٧١ء، ص١١٥، سیوطی، الاتقان فی علوم القرآن، تحقیق ابوالفضل، مصر، ١٩٦٧ء، ٤/٣
٤٢- اشعری، مقالات الاسلامیین، تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید، مصر ١٩٥٠ء، ١/٢٧١، اور شہرستانی الملل والنحل، تحقیق عبدالعزیز محمد الوکیل، مصر ١٩٦٨ء، ١/٥٦
٤٣- حجج النبوۃ، ص١٤٨

۴۴- طبقات المفسرین، مذکورہ بالا ۲/ ۲۱۷

۴۵- دلائل الاعجاز، ص ۳۸۶-۳۹۰

۴۶- حوالہ مذکور، ۳۹۱-۳۹۲

۴۷- حوالہ مذکور، ۵۲۵-۵۲۶

۴۸- دلائل الاعجاز ۳۹

(سہ ماہی آفاق الثقافة و التراث، دبئی، متحدہ عرب امارات، ۱۱/۴۴، دسمبر ۲۰۰۳ء، ص ۳۲-۴۰)

☆

مجلّہ علوم القرآن کی خصوصی اشاعت

مقالاتِ سمینار

''قرآنی علوم بیسویں صدی میں''

قرآنیات کے شائقین کے لیے ایک قیمتی تحفہ

☆ بیسویں صدی میں قرآنیات کے موضوع پر ہونے والے علمی، فکری، تصنیفی اور تحقیقی کام کا بھرپور جائزہ۔

☆ تفاسیر اور تراجم کے میدان میں ہونے والی پیش رفت کا تجزیاتی مطالعہ۔

☆ لغات قرآن، نظم قرآن، اسالیب قرآن، اسباب نزول، حروف مقطعات کے موضوعات پر سیر حاصل بحث۔

☆ فہم قرآن کے میدان میں بیسویں صدی کی اہم ترین پیش رفت۔ مولانا فراہی کے قرآنی فکر کی مختلف جہات کا تعارف اور مطالعہ۔

☆ فہم قرآن میں عصری علوم سے استفادہ، قرآنی نظریۂ کائنات، دنیا کی موجودہ مادی تقسیم قرآنی تعلیمات کی روشنی میں، دہشت گردی اور قرآن اور مدارس اسلامیہ میں تدریس قرآن کی صورت حال پر فکر انگیز مقالات۔

بیسویں صدی میں مطالعات قرآن کی صورت حال پر ایک دستاویزی مجموعہ

صفحات ۵۳۲ قیمت مجلد ۲۰۰ روپیہ

ادارہ علوم القرآن، سرسید نگر، علی گڑھ ۲۰۲۰۰۲